تیسری دنیا - قرآن کی روشنی میں

سلطان احمد اصلاحی

آج کی علمی اور سائنٹیفک دنیا میں ایک اصطلاح 'تیسری دنیا' کی استعمال کی جاتی ہے۔ تحریر کی طرح تقریر میں بھی اس کا اسی طرح رواج ہے۔ اور خواص سے اتر کر عوام میں بھی اب معمول کی بول چال میں اس کا اسی طرح بے تکلف استعمال کیا جاتا ہے۔ زیر نظر مضمون میں قرآن کی روشنی میں اس کا تجزیہ مقصود ہے۔ اللہ کی کتاب اس کو کس نظر سے دیکھتی ہے اور اس کی روشنی میں اس کی کیا تصویر سامنے آتی ہے۔ اس کے نتیجے میں ایک حامل قرآن، متبع قرآن کا کیا رویہ ہونا چاہیے۔ یہ اصطلاح اپنے آپ اس سے پہلے پہلی اور دوسری دنیا کی تفصیل کا تقاضا کرتی ہے۔ ظاہر ہے جب کوئی پہلی دنیا ہوگی اس کے بعد ہی دوسری اور تیسری دنیا کا نمبر آئے گا۔ سو اس اصطلاح کے ایجاد کرنے والے یورپ اور امریکہ کے ممالک کی طرف سے خود اس کی تشریح کر دی گئی ہے۔ اس لیے اس کے سلسلے میں کسی قیاس اور تکا لگانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ عصر حاضر کے ذہن سازوں نے اصطلاح کو وضع کر کے علمی دنیا کے مارکٹ میں اس کو اتار دیا ہے۔ باقی دنیا کا کام ہے کہ وہ اس کی پیروی کرے اور اس کی مسلسل تکرار اور اعادہ سے اس کو مسلمات کے دائرے میں شامل کرا دے۔ جیسا کہ دہشت گردی (Terrorism) اور بنیاد پرستی (Fundamentalism) جیسی اصطلاحات کا معاملہ ہے کہ اب وہ معاصر دنیا کی مسلمہ اصطلاحات ہیں جن کے مالہ و ماعلیہ پر کچھ بہت زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ زبان اور قلم سے جو بات بھی نکلے وہ اپنا تجزیہ چاہتی ہے۔ اور جب تک تجزیے کی خراد پر اس کا کھرا ہونا ثابت نہ ہو جائے، صرف پروپگنڈے کے زور سے اس کا اعتماد

اور استناد قائم نہیں ہوتا۔ یہی کچھ حال زیر گفتگو اصطلاح 'تیسری دنیا' کا بھی ہے۔

معاشی اور مادی بنیادوں پر تقسیم

معاصر دنیا کو یہ جو تین دنیاؤں میں تقسیم کیا گیا ہے، جس کے نتیجے میں پہلی اور دوسری دنیا کے بعد تیسری دنیا وجود میں آئی ہے۔ تہذیب انسانی کے آج کے معماروں کی طرف سے دنیا کی یہ تقسیم خالص مادی اور معاشی بنیاد پر کی گئی ہے۔ چنانچہ اس کے لحاظ سے دنیا کے وہ ممالک جو معاشی خوش حالی اور مادی اور سائنٹیفک ترقی میں بلندی کے ایک خاص درجے پر پہنچے ہوئے ہیں۔ یہ پہلی دنیا کے ممالک ہیں جن میں یک قطبی دنیا کے واحد سپر پاور امریکہ عظمی کے علاوہ برطانیہ، جرمنی، فرانس، اسپین، سوئزر لینڈ جاپان اور کوریا جیسے ممالک شامل ہیں۔ دوسری دنیا میں روس اور چین جیسے دوسرے ممالک ہیں جو معاشی خوش حالی اور مادی اور سائنٹیفک ترقی میں ان ملکوں سے قدرے پیچھے ہیں۔ انہی میں مشرقی یورپ کے اکثر ممالک ہنگری، پولینڈ، چکوسلواکیہ، آسٹریا وغیرہ کے علاوہ سوویت یونین سے آزاد ہوئے وسطی ایشیاء کے ممالک قزاقستان، ازبکستان، تاجکستان، یوکرین اور لتھوانیا وغیرہ شامل ہیں۔ اسی فہرست میں مشرقی وسطی کے عرب ممالک شام، لبنان، سعودی عرب، بحرین، یمن اور دبئی اور کویت وغیرہ کے عرب ممالک ہیں، جن کا معاشی خوش حالی میں کسی قدر نام لیا بھی جائے تو مادی اور سائنٹیفک ترقی میں یہ پہلی دنیا کے مقابلے میں کہیں کھڑے نہیں ہوتے ہیں۔ عراق، ایران اور مصر جیسے عرب اور اسلامی ممالک بھی اسی دوسری دنیا کے زمرہ میں آتے ہیں۔

تیسری دنیا میں ہندوستان سر فہرست ہے۔ اور اسی کے زمرے میں جنوبی ایشیاء کے اس کے پڑوسی ممالک پاکستان اور بنگلہ دیش نیز برما، نیپال، سری لنکا کے علاوہ ملیشیا، انڈونیشیا وغیرہ جنوبی ایشیاء کے سبھی ممالک اور تقریباً پورا افریقہ اسی زمرہ میں آتا ہے۔ اس زمرے کے ہندوستان اور پاکستان دونوں نیوکلیر پاور ہیں خاص طور پر ہندوستان جو اپنے بے پناہ معاشی امکانات، نفری قوت اور سائنٹیفک ترقی کے اعتبار سے بڑی اونچی جگہ پر

کھڑا ہے، لیکن ایک ارب سے اوپر کی اپنی بہت بڑی آبادی کے سبب اس کے وسائل اس کی آبادی کا ساتھ نہیں دے پاتے اور آزادی کے بعد اس کی غیر معمولی ترقی کے باوجود اس کی غریب ملک کی شناخت بڑی حد تک قائم ہے۔ یہی بات اس کے دوسرے پڑوسی پاکستان کے سلسلے میں صادق آتی ہے۔ سب سے خراب حال افریقہ کے ممالک کا ہے جو اپنے بہت سارے وسائل اور ذخائر کے باوجود غربت وافلاس میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اور درجہ کے فرق سے پورا براعظم افریقہ اپنی یہی شناخت رکھتا ہے اور اسی کے حوالہ سے اس کی پہچان کی جاتی ہے۔ جب کہ پہلی دنیا کا حال ہے کہ اس نے اپنی شناخت کو مزید نمایاں اور مستحکم کرتے ہوئے اپنی معاشی ترقی کو مزید تیز رفتار کرنے کے لیے گروپ سات (G7) اور گروپ آٹھ (G8) کے الگ بلاک بنا رکھے ہیں۔[1] یہ گویا پہلی دنیا کے بھی نمبر ا ممالک ہیں جو باقی دنیا کے لیے ایک مثال اور منارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اوپر پہلی، دوسری اور تیسری دنیا کی جو تقسیم کی گئی ہے وہ بالکل بے لچک نہیں ہے، چناں چہ چین اور روس جیسے دوسری دنیا کے ممالک کو پہلی دنیا میں شامل سمجھا جاسکتا اور تیسری دنیا کے ملیشیا اور انڈونیشیا کو دوسری دنیا میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ لیکن بہرحال موٹے طور پر معاصر دنیا کی پہلی، دوسری اور تیسری دنیا کی یہی تقسیم ہے۔ اور اسی کی بنیاد پر تحریر، تقریر اور گفتگو میں ہر جگہ ان کی شناخت قائم ہوتی ہے۔

اسلام اور قرآن کا نقطۂ نظر

لیکن اسلام اور 'قرآن' کے لیے دنیا کی یہ تقسیم قابل قبول نہیں ہے۔ اس کے نزدیک جس طرح کسی فرد کے معزز اور محترم ہونے کے لیے اس کا ایمان اور عمل بنیاد ہے۔ ممالک اور دنیا اور علاقوں اور خطوں کی تقسیم میں بھی ادنیٰ اور اعلیٰ کی شناخت کے لیے وہ اسی ایمان اور عمل کو بنیاد اور معیار تسلیم کرسکتا ہے۔ پہلی، دوسری اور تیسری دنیا کی یہ تقسیم اگر مادی وسائل اور سائنٹیفک اور صنعتی ترقی کی صراحت کے ساتھ ہو تو کوئی حرج نہیں کہ یہ امر واقعہ کا بیان ہوگا۔ اور جو دنیا کی جس ترقی کے لحاظ سے آگے اور پیچھے ہوگا

اس کو اس کے اسی مقام پر رکھا جائے گا۔ جس طرح کہ اسی طرح کے پس منظر میں ترقی یافتہ (Developed) اور ترقی پذیر (Developing) ممالک کی دوسری اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ اس میں حرج نہیں ہے۔ لیکن پہلی، دوسری کے ساتھ تیسری دنیا کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ اگر چہ یہ تقسیم بھی ہے خالص معاشی اور مادی بنیاد پر۔ لیکن اس کا بیان اور اظہار جس طرح سے کیا جاتا ہے اس میں پہلی دنیا کے ساتھ معاشی اور مادی ترقی اور برتری کے پہلو بہ پہلو ذہنی اور نفسیاتی برتری اور بالا دستی کو اسی طرح شامل سمجھا جاتا ہے۔ جب کہ تیسری دنیا کے تذکرے میں اس کے برعکس معاشی اور مادی پسماندگی کے ساتھ ذہنی اور نفسیاتی پستی اور پسماندگی کو بھی اسی طرح شامل تسلیم کیا جاتا ہے۔ چناں چہ 'پہلی دنیا' کے کسی ملک سے وابستگی کا مطلب ہی ہے کہ آدمی کا سر فخر سے اونچا رہے اور دوسروں کے مقابلے میں اس کو اپنا قد بلند دکھائی دے۔ جب کہ 'تیسری دنیا' کے کسی ملک سے وابستگی کا مطلب ہے کہ صنعتی پسماندگی اور معاشی بدحالی کے ساتھ اسی طرح وہ ذہنی اور نفسیاتی طور پر بھی بدحال اور پریشان حال ہے۔ اللہ کی آخری کتاب کو بلندی اور پستی کا یہ معیار تسلیم نہیں۔ اور فرد کی طرح کسی معاشرے، قوم، خطے، علاقے اور ملک کے سلسلے میں بھی یہی بات اسی طرح صادق آتی ہے۔ مختلف قوموں اور قبیلوں میں بٹی ہوئی یہ دنیا معیار زندگی اور وسائل حیات کے لحاظ سے مختلف درجے پر ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کی فضیلت اور برتری کا درجہ اس کی دینداری اور اس کے خوف خدا کی بنیاد پر ہی متعین ہو سکتا ہے۔ فرد اور قوم کی طرح کوئی علاقہ اور ملک اور ان کے ممالک کا مجموعہ بھی اسی صورت میں فضیلت اور برتری کا حامل ہو سکتا ہے جب کہ اس کے افراد خوف خدا کی دولت سے مالا مال ہوں اور زندگی میں ان کا ایک ایک قدم اس کی مرضی اور مشیت کے مطابق اٹھتا ہو۔ اسی کی بنیاد پر کسی اجتماعیت میں اول، دوم، سوم اور چہارم درجہ کے افراد کا تعین کیا جائے گا، جسے آگے بڑھ کر اسی طرح اقوام اور ممالک تک وسیع کیا جا سکے گا۔

يَـاَيُّهَـا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَـعَـلْـنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَـعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْـرَمَـكُـمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○
(حجرات: ۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے (آدم وحوا) سے پیدا کیا ہے۔ اور اس کے بعد تم کو مختلف قوموں اور قبیلوں میں بانٹ دیا ہے تا کہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو۔ البتہ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو اس سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ بلا شبہ اللہ بڑا جاننے والا آگاہی رکھنے والا ہے۔

افراد واقوام کے نظائر

یہ جو کچھ اس موقع پر مجملاً کہا گیا ہے، افراد اور اقوام کے حوالہ سے کتاب اللہ میں جا بجا اس کی تفصیل ہے۔ جس کے کچھ نمونوں کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

قرآن نے اپنی دعوتی تاریخ میں حضرت نوحؑ کی قوم، اسی طرح عادؑ وثمودؑ، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ کی قوم اور قوم شعیبؑ اور اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخاطب قوم فرعون کا خاص طور پر تذکرہ کیا ہے۔ ان تمام اقوام کے سلسلے میں قرآن نے بار بار اور جگہ جگہ اس کا تذکرہ کیا ہے کہ معاشی وسائل، مادی ترقی اور افرادی قوت کے لحاظ سے یہ قومیں بڑے اونچے مرتبے پر فائز تھیں۔ جب کہ ان کو دعوت دینے والے پیغمبر اور ان کے کم تعداد متبعین ہر طرح سے کمزور اور نا قابل ذکر حیثیت کے حامل تھے۔ لیکن اس کے باوجود اپنے اپنے زمانہ کی یہ ترقی یافتہ قومیں اپنے پیغمبروں کے انکار کے باعث اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو قبول نہ کرنے کے باعث اپنی تمام تر قوت وشوکت کے باوجود یہ صفحۂ ہستی سے مٹادی گئیں اور تاریخ میں ان کا نام صرف عبرت کے لے باقی رہ گیا۔ اس کے برعکس پیغمبر اور ان کے پیروکار اللہ تعالیٰ کی مدد کے مستحق قرار پائے اور عذاب سے محفوظ رہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ اپنے اپنے زمانہ کے یہ کم

وسائل اور ترقی یافتہ لوگ اونچے رہے۔ اور منکرین حق جو ہر طرح کے مادی وسائل سے مالا مال تھے وہ اللہ کی نظر میں نیچے ٹھہرے، اور دنیا میں اس طرح زیر کیے گئے کہ قیامت تک کے لیے نمونہ عبرت بن گئے۔

اسی طرح افراد میں فرعون کے علاوہ اس کے وزیر ہامان اور قارون کا تذکرہ ہے۔ جن کی طاقت اور جن کی دولت کا کوئی تھاہ نہ تھا۔ لیکن اقوام بالا کی طرح یہ بھی اللہ تعالیٰ کے زبردست عذاب کی زد میں آئے اور حضرت موسیٰ اور ان کی کمزور اور خستہ حال قوم کے مقابلے میں ہمیشہ کے لے نفرت اور حقارت کی علامت بن گئے۔ اسی فہرست میں 'نمرود' کا بھی نام ہے جو جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مخاطب اور ان کی زد پر تھا۔ قرآن میں اگرچہ اس کے نام کی صراحت نہیں ہے۔ لیکن مفسرین کا اتفاق ہے کہ جناب ابراہیمؑ کی اپنے زمانہ کے جس سرکش اور باغی سے بحث ہوئی تھی اور جس کی حضرت ابراہیمؑ کی پیغمبرانہ حجت کے سامنے زبان بند ہوگئی تھی۔ وہ یہی ''نمرود'' تھا۔[۲] اس شخص کی طاقت اور دولت کا بھی کوئی حد وحساب نہ تھا اور اپنی پوری قوم کو اپنی مٹھی میں لیے ہوئے تھا۔ یہاں تک کہ اس کے حکم سے جب پیغمبر وقت کو آگ کے آلاؤ میں ڈالا گیا تو وہاں ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جو اس کے اس جابرانہ فیصلے کے خلاف زبان کھول سکتا تھا۔ اس شخص کا تذکرہ قرآن کے دوسرے مقامات پر ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ اس کے علاوہ اوپر جن اقوام اور افراد کا تذکرہ کیا گیا ہے ان سب کا یکجا ذکر سورہ عنکبوت میں ہے۔

اس موقع پر آیت: ۱۴ سے ۳۷ تک حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ کی قوموں کا تذکرہ ہے۔ جو اپنے اپنے زمانہ کی ہر لحاظ سے انتہائی ترقی یافتہ قومیں تھیں۔ لیکن شرک وکفر کی گمراہی میں ڈوبی ہوئی تھیں اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ایک رب کی بندگی اور اطاعت کے بجائے نفس وشیطان کی بندگی میں لگی ہوئی تھیں۔ ان پیغمبروں نے ان کو گمراہی کے اس راستے سے ہٹا کر توحید اور خدا پرستی کے راستے پر لگانا چاہا لیکن انھوں نے ان کی ایک نہ سنی اور شرک وبت پرستی اور اپنی معروف سماجی اور معاشی برائیوں میں بدستور لت پت رہیں۔ نتیجے میں ان کے اوپر اللہ کا عذاب آیا

اور یہ صفحۂ ہستی سے معدوم کردی گئیں۔ تاریخی طور پر قرآن میں عام طور پر قوم نوحؑ کے بعد عاد اور ثمود کا تذکرہ آتا ہے جن کی غیر معمولی طاقت اور قوت اور شان وشوکت کا قرآن میں جگہ جگہ ذکر ہے۔ لیکن اس موقع پر ان کی امتیازی حیثیت کو نمایاں کرنے کے لیے ان کا تذکرہ سب سے آخر میں ہے:

وَعَادًا وَّثَمُوْدَ وَقَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ مِنْ مَّسٰكِنِهِمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ (عنکبوت:۳۸)

اور عاد اور ثمود اور ان کے رہنے کی جگہوں کو دیکھنے سے تمہارے سامنے ان کا انجام واضح ہے۔ اور شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال کو آراستہ بنائے اور اس طرح ان کو (سیدھے) راستے سے روکے رکھا۔ حالاں کہ وہ بڑے زیرک لوگ تھے۔

یہاں قرآن نے ان کے متعلق ایک لفظ 'مستبصرین' کے ذریعہ وہ سب کچھ کہہ دیا ہے جو آج کی ترقی یافتہ اقوام دوسرے لفظوں میں پہلی اور دوسری دنیا اور جی ۷ اور جی ۸ کے سلسلے میں کہا جاسکتا ہے انتہائی زیرک، ہوشیار، دنیا کی بڑی سمجھ رکھنے والے اور اس کے معاملات کو پرکھنے والے۔ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ (م۱۲۳۰ھ) نے ایک لفظ 'ہوشیار'[۳] سے اس کا ترجمہ کرکے ان تمام مفاہیم کو اس میں سمیٹ دیا ہے۔ اسی موقع پر اس کی تشریح بھی اسی طرح قیمتی ہے:

اور تھے ہوشیار۔ یعنی دنیا کے کام میں ہوشیار تھے اور اپنے نزدیک عقل مند تھے۔ پر شیطان کے بہکاوے سے نہ بچ سکے۔[۴]

اس سے پہلے صاحب کشاف علامہ جاراللہ زمخشری (م۵۳۸ھ) کی بھی اس کی تفسیر اسی سے ملتی جلتی ہے:

(وكانوا مستبصرين) عقلاء متمكنين من النظر والافتكار ولكنهم لم يفعلوا[۵]

(اور وہ زیرک تھے) یعنی کہ عقل والے جو اپنی فکرونظر کا جو بہترین استعمال کرسکتے تھے۔ لیکن وہ ایسا نہ کرسکے۔

اس کے بعد قارون، فرعون اور ہامان اور اوپر سے نیچے تک مذکورہ اقوام وافراد

کے انجام کا تذکرہ ہے:

وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ﵞ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مُوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ. فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْبِهٖ فَمِنْهُمْ مَنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ وَمِنْهُمْ مَنْ اَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ

(عنکبوت: ۳۹-۴۰)

اور قارون اور فرعون اور ہامان، اور حضرت موسیٰ ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے تو انھوں نے زمین میں گھمنڈ کا رویہ اختیار کیا۔ حالانکہ وہ بچ کر نکل جانے والے نہ تھے۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک کو اس کے گناہ کے بدلے ہم نے دھر دبوچا، تو ان میں سے کوئی رہا جس پر ہم نے پتھر برسانے والی ہوا بھیجی، اور کوئی رہا جو چنگھاڑ کی زد میں آیا۔ اور کوئی رہا جس کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور کوئی رہا جس کو ہم نے پانی میں ڈبا دیا۔ اور یہ اللہ کا کام نہ تھا کہ وہ ان پر ظلم کرتا بلکہ وہ اپنے آپ پر ہی ظلم کرنے والے تھے۔

اس موقع پر جو زمین میں دھنسائے جانے کا ذکر ہے یہ قارون اور اس کے پیرو کاروں سے متعلق ہے جیسا کہ سورۂ قصص ۶ میں اس کی صراحت ہے۔ بحر قلزم میں غرق فرعون اور اس کی قوم کو کیا گیا جس کا قرآن میں بار بار ذکر ہے۔ اس سے پہلے قوم نوحؑ اپنے زمانہ کے تاریخی طوفان میں غرق آب ہوئی۔ اس کا تذکرہ بھی قرآن میں جگہ جگہ ہے۔ پتھر برسانے والی ہوا (حاصب) سے قوم لوط ہلاک کی گئی جس کی صراحت قرآن میں دوسرے مقام پر ہے ۷ اسی طرح چنگھاڑ (صیحہ) سے قوم ثمود ہلاک کی گئی اس کا ذکر بھی قرآن میں ایک سے زائد بار ہے۔ ۸ دوسرے موقع پر قوم شعیبؑ اور قوم لوطؑ کے بھی (صیحہ) کے اس عذاب سے ہلاک کیے جانے کا ذکر ہے۔ ۹

ان افراد و اقوام کی تفصیل

اوپر جن افراد اور اقوام کا تذکرہ ہے، قرآن میں جگہ جگہ ان کے سلسلے میں تفصیل

ہے کہ یہ اپنے زمانہ کے معاشی اور مادی ہر پہلو سے انتہائی ترقی یافتہ لوگ تھے۔ ان افراد اور اقوام کا ذکر قرآن کی مخاطب عرب قوم کے سامنے اس مقصد سے کیا گیا ہے کہ آج تم اپنے پیغمبر محمد ﷺ اور ان کے پیروکاروں کے مقابلے مال و دولت اور افرادی قوت میں اپنے کو ان سے بہت فائق سمجھتے ہو، لیکن تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ پچھلے زمانہ کے جن افراد و اقوام نے اپنے پیغمبروں کا انکار کیا تھا اور ان کے مقابلے پر آگئے تھے۔ وہ دنیوی ترقی کے معاملے میں تم سے بہت آگے تھے۔ اور ان کے مقابلے میں تم کسی شمار میں نہیں آتے ہو۔ لیکن جب وہ حق کے انکار پر ڈٹے رہے تو مختلف صورتوں میں ان کے اوپر اللہ کا عذاب نازل ہوا اور وہ صفحۂ ہستی سے مٹا دیے گئے۔ سو یہی کچھ معاملہ اب تمہارے ساتھ ہونے والا ہے جو آخری پیغمبر ﷺ اور ان کی لائی ہوئی کتاب کے انکار پر مصر ہو البتہ آپ ﷺ کی مخاطب عرب قوم کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہوا کہ کسی آسمانی عذاب کے بجائے پیروان محمد ﷺ کے ہاتھوں ہلاک ہو۔ جیسا کہ تاریخ کی شہادت ہے کہ ان منکرین محمد کا آج دنیا میں کوئی نام لینے والا نہیں ہے۔ اس پس منظر میں آیات ذیل کا مطالعہ کیجیے۔ پہلے اقوام کو لیتے ہیں۔ افراد کو بعد میں زیر بحث لائیں گے۔ ان اقوام و افراد کے سلسلے میں یہ بات بھی نوٹ کرنے کی ہے کہ قرآن کے مخاطب ان کے احول سے بخوبی واقف تھے۔ زیر بحث افراد کا ان کے یہاں برابر چرچا رہتا تھا۔ اور ہلاک شدہ قوموں کے کھنڈرات ان کے آس پاس تھے۔ اور اپنے تجارتی اسفار میں ان کا ان آثار سے برابر گزرنا ہوتا تھا۔ سورہ انعام میں عمومی طور پر ان اقوام کے تذکرہ میں فرمایا:

اَوَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَالَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ مِدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ	کیا مکہ کے لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا جن کو ہم نے زمین میں وہ طاقت اور قوت دے رکھی تھی جو طاقت اور قوت کہ ہم نے تم کو نہیں دی۔ اور ہم ان کے اوپر بہترین بارش برساتے رہے اور دریا بنائے جو ان

بِـذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَأْ نَا مِنْ بَعْدِ هِمْ قَرْناً آخَرِيْنَ(الانعام: ٦).

کے نیچے سے بہتے (لیکن وہ ہماری ان نعمتوں کی قدر پہچان کر راستے پر نہیں آئے) تو ان کے گناہوں کی پاداش میں ہم نے ان کو صفحۂ ہستی سے مٹادیا اور ان کے بعد دوسری قوم کو میدان میں لے آئے۔

اس آیت کریمہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ ماضی کی یہ قومیں بڑی طاقت اور قوت والی تھیں اور اللہ نے ان کی معیشت کی بہتری کا پورا سامان کر رکھا تھا۔ ان کے یہاں بھر پور بارش وقت پر اور ضرورت کے مطابق ہوتی جس سے ان کی زراعت بہتر ہوتی۔ اس کے ساتھ ان کے لیے زیر زمین پانی کی فراوانی تھی جس سے سال کے بقیہ دنوں میں ان کے لیے اپنے باغات کی سینچائی کا بہترین انتظام رہتا۔ لیکن جب یہ ان نعمتوں میں پڑ کر اپنی اصل حیثیت کو بھلا بیٹھیں اور اللہ کی منکر ہوگئیں۔ تو اس کی طرف سے یہ تباہ و برباد کردی گئیں۔

سورہ مریم میں ان کی ترقی اور دوسرے پیرائے میں بیان ہوئی ہے:

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثاً وَّرِئياً (مریم: ۷۴)

اور عرب کے ان کافروں اور مشرکوں سے پہلے ہم بہت ساری قوموں کو صفحۂ ہستی سے مٹا چکے ہیں جن کا مال و دولت اور ظاہری شان وشوکت میں ان سے کوئی مقابلہ نہ تھا۔

اس موقع پر ان کی ترقی کے لیے دو الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ 'اثـاث' یعنی کہ مال ومتاع [۱۰] اور اسباب دنیا [۱۱] دوسرا لفظ 'رئیـا' یعنی کہ منظر اور نمود[۱۲] ان دو الفاظ میں قرآن نے ان تمام اقوام کی پوری ترقی کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ ان قوموں کے یہاں دنیا کے مال واسباب بہتر سے بہتر شکل میں موجود تھے اور اپنی ظاہری چمک دمک کے لحاظ سے یہ ایسی خوش منظر تھیں کہ نگاہ پڑ جائے تو ان سے ہٹنے کا نام نہ لے۔ آج یورپ، امریکہ اور جاپان جیسے ملکوں کی دنیوی ترقی کے بارے میں جو کچھ بھی کہا جاسکے۔

قرآن کے ان دو الفاظ پر اس پر کچھ بھی اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرے موقع پر ان ہلاک شدہ بستیوں کے سلسلے میں معیشت (Economy) کی صراحت ہے کہ اپنی بہترین معیشت پر ان کو گھمنڈ تھا اور یہ پھولے نہیں سماتی تھیں۔ جب کہ آج اسی معاشی ترقی کی بنیاد پر اقوام عالم کی پہلی دوسری اور تیسری دنیا میں تقسیم کی گئی ہے۔ زیرنظر تحریر سے اسی فاسد زاویۂ نظر کی تصحیح مقصود ہے۔ اب آیت کریمہ پڑھیے:

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلاً وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ (قصص:۵۸)

اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو نیست و نابود کر دیا جن کو اپنی خوش حالی کا بڑا گھمنڈ تھا۔ تو یہ ان کے کھنڈرات ہیں جو ان کے بعد بہت کم ہی آباد رہ سکے۔ اور ہم ہی (ان کے) وارث ٹھہرے۔

اسی سورہ میں آگے قارون کے قصے کے ذیل میں فرمایا:

اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعاً وَلاَ يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ (قصص:۷۸)

کیا اُس کو پتہ نہیں کہ اللہ نے اس سے پہلے کتنی ہی قوموں کو نیست و نابود کر دیا جو اس سے زیادہ طاقت ور اور بڑی جمعیت والی تھیں، اور اپنے کرتوتوں کے بارے میں گنہ گاروں سے دریافت نہیں کیا جائے گا (کہ ان کی مرضی کے مطابق ان کا فیصلہ کیا جائے)

اس موقع پر اس بات کی بھی صراحت کر دی گئی کہ ماضی کی ان قوموں کی نفری اور آج کی اصطلاح میں فوجی اور عسکری قوت بھی غیر معمولی تھی۔ سو آج یورپ اور امریکہ کو اپنی معیشت (Economy) کے ساتھ جس دوسری چیز پر سب سے بڑھ کر ناز ہے وہ یہی ان کی فوجی اور عسکری تفوق اور برتری ہے۔

سورہ روم میں یہ مضمون مزید کھول دیا گیا ہے جہاں ان اقوام کی بڑھی ہوئی طاقت اور قوت کے ساتھ ان کی طرف سے اپنے زمانہ میں زمین کو آباد کرنے اور اس کو گل و گل زار بنا دینے کا اضافہ ہے:

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (روم: ۹)

کیا ان لوگوں کا زمین میں چلنا پھرنا نہیں ہوا کہ وہ دیکھ سکیں کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا۔ وہ لوگ ان سے زیادہ طاقت ور تھے اور ان لوگوں نے زمین کو زیادہ جوتا اور اس کو آباد کر رکھا تھا جتنا کہ انھوں نے اس کو آباد کیا ہے۔ ان کے پاس ان کے رسول کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے۔ تو وہ اللہ نہیں تھا جس نے کہ ان کے اوپر ظلم کیا بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے (اور اپنا انجام خراب کرنے والے) تھے۔

دوسرے موقع پر ان اقوام کی معاشی اور مادی ترقی کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ قریش کے لوگ جو عرب میں مکہ کی مرکزی تجارتی شاہراہ میں اقامت پذیر ہیں، اور جن کو اپنی مذہبی حیثیت کا پورے جزیرۂ عرب میں فائدہ ملتا ہے اور اس کی بدولت سماجی عزت واحترام کے ساتھ ان کو بہت سارے معاشی اور مالی فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں، جس کا قرآن میں جا بجا بیان ہے اور آخری پارے کی سورہ قریش تو اسی مضمون کے بیان کے لیے وقف ہے، اپنے ان تمام تر فوائد (Advantages) اور اس سے حاصل ہونے والی معاشی اور مادی ترقی کے باوجود قرآن کا کہنا ہے کہ پچھلے زمانہ کی ترقی یافتہ قوموں کے مقابلہ میں یہ کہیں نہیں کھڑے ہوتے ہیں اور دسویں مقام پر بھی نہیں آتے ہیں۔ لیکن جب انھوں نے رسولوں کا انکار کیا تو یہ اللہ کی پکڑ سے نہ بچ سکیں:

وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ (سبا: ۴۵)

اور جو لوگ ان سے پہلے تھے انھوں نے بھی جھٹلانے کی راہ اپنائی، حالاں کہ یہ لوگ جو ہم نے ان لوگوں کو دے رکھا تھا اس کے دسویں کو بھی نہیں پہنچتے تو انھوں نے ہمارے رسولوں کو جھٹلایا تو (ان کے لیے اس کی) میری سزا کیسی رہی۔

یہی مضمون آیات ذیل کا ہے:

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَکَانُوْا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعْجِزَهٗ مِنْ شَیْءٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ اِنَّهٗ کَانَ عَلِیْماً قَدِیْراً ۝
(فاطر: ۴۴)

کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں جو یہ دیکھ سکیں کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیا ہوا۔ وہ لوگ ان سے زیادہ طاقت ور تھے۔ اور ایسا نہیں کہ زمین و آسمان میں کوئی ایسی چیز ہو جو اللہ کو ہرادے۔ بلا شبہ وہ بڑے علم والا، بڑی قدرت والا ہے۔

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ کَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ کَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّآثَاراً فِی الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ وَمَا کَانَ لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ. ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ کَانَتْ تَاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَکَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ اِنَّهٗ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ
(مومن: ۲۱-۲۲)

کیا ان لوگوں کا زمین میں چلنا پھرنا نہیں ہوا جو وہ یہ دیکھ سکیں کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا۔ وہ لوگ ان سے زیادہ طاقت ور اور زمین میں ان کی نشانیاں ان سے زیادہ تھیں۔ تو اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کے بدلے پکڑا اور اللہ کے مقابلے میں کوئی ان کا بچانے والا نہ رہا ایسا اس لیے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آتے رہے پھر بھی وہ اپنے انکار پر ڈٹے رہے۔ تو اللہ نے ان کو پکڑ لیا بلا شبہ وہ بڑی قوت والا، سخت سزا دینے والا ہے۔

اسی سورہ کی آخری آیات میں یہ مضمون مزید وضاحت سے آیا ہے۔ جس میں آخری نبی ﷺ سے پہلے دنیا میں کفر و اسلام کی جنگ کا ایک طرح سے نقشہ کھینچ دیا ہے۔ نیز یہ کہ اس میں کون نیچے اور کون اوپر اور کس کا اللہ کی نظر میں کیا درجہ ہے:

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّآثَاراً فِى الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ. فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْآ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِىْ قَدْ خَلَتْ فِىْ عِبَادِهٖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ۝

(مومن: ۸۲-۸۵)

کیاان لوگوں کا زمین میں چلنا پھرنا نہیں ہوا جو وہ یہ دیکھ سکیں کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا۔ وہ تعداد میں ان سے زیادہ اور زیادہ طاقت ور اور زمین میں بڑی نشانیوں والے تھے۔تو جو کچھ انھوں نے کمائی کررکھی تھی وہ ان کے کچھ کام نہ آئی۔ تو جب ان کے رسول ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے،تو ان کے پاس جو علم (Knowlege) تھا وہ اس پر پھولے نہیں سمائے۔ نتیجے میں ان کو اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔تو جب ہمارا عذاب ان کے بالکل سامنے آگیا تو کہنے لگے کہ اب ہم ایک اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور جن لوگوں کو ہم اس کے ساتھ ساجھی ٹھہراتے تھے ان کا انکار کرتے ہیں ۔تو جب ہمارا عذاب ان کے بالکل سامنے آگیا تو ان کا یہ ایمان لانا ان کے کسی کام نہ رہا۔ یہ اللہ کا طریقہ رہا ہے جو اس کے بندوں میں جاری رہا ہے۔ اور ایسے موقع پر انکار کرنے والوں کو سوائے ٹوٹے کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

اس سلسلۂ آیات میں ماضی کی ان اقوام کی شان وشوکت اور ان کی معاشی اور مادی ترقی کے بیان میں ان کی علمی اور سائنٹفک برتری اور تفوق کا خاص طور پر ذکر ہے۔ ظاہر بات ہے یہاں پر ان کے علم سے مراد مادی اور سائنسی علوم ہیں۔ جس کی بدولت

زمین کے چپے چپے پر ان کے آثار موجود تھے۔ آج یورپ اور امریکہ کی یہی مادی اور سائنسی ترقی ہے جس کی وجہ سے یہ پوری دنیا کو آنکھیں دکھا رہے ہیں۔ اور باقی دنیا کو دوسرے اور تیسرے درجے میں رکھ کر اپنے لیے 'پہلی دنیا' ہونے کے دعویدار ہیں۔ دنیا میں جو قوم مالدار اور صاحب اقتدار ہوتی ہے زمین پر قدم قدم پر اس کے نشانات 'آثار' دکھائی دیتے ہیں۔ ماضی میں یہ نشانات 'آثار' جس طرح کے ہوتے تھے اس کا ایک نقشہ قرآن نے سورہ حج میں کھینچا ہے:

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ o (حج: ۴۵)

اور کتنی ہی بستیاں ہیں جن کو ہم نے نیست ونابود کر دیا جو ظلم کے راستے پر چلنے والی تھیں۔ تو یہ اپنی چھتوں سمیت اوندھی پڑی ہیں۔ اور کنویں ہیں جو ویران ہیں اور مضبوط محلات ہیں (جن کا کوئی پرسان حال نہیں ہے)۔

آج کے دور میں ترقی کے ان نشانات 'آثار' نے بڑے بڑے کارخانے، ڈیم، بجلی گھر، فوجی اڈوں اور تحقیق کے مراکز نے لے رکھی ہے۔ دنیا میں جو ملک جتنا مالدار اور طاقت ور ہوتا ہے اس کے یہ آثار بھی اتنے ہی بڑے اور نمایاں ہوتے ہیں۔ آج دنیا کا سب سے طاقت ور ملک امریکہ ہے۔ سو اندرون ملک اپنے آثار کے علاوہ بحر ہند سے لے کر کیوبا کے گوانتاناموبے تک دنیا کے چپے چپے پر اس کے آثار پھیلے ہوئے ہیں۔

آخر میں اس سلسلے کی دو مختصر آیات کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے جس میں اس مضمون کو بڑی جامعیت کے ساتھ سمیٹ دیا گیا ہے:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْ اَخْرَجَتْكَ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ o (محمد: ۱۳)

اور کتنی ہی بستیاں رہی ہیں جو تمہاری اس بستی سے زیادہ طاقت ور تھیں جس نے کہ تم کو نکال دیا۔ ہم نے ان لوگوں کو تباہ کر دیا تو کوئی ان کی مدد کرنے والا نہ رہا۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشاً فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ. (ق: ٣٦)

اور ہم نے ان سے پہلے بہت سی قوموں کو تباہ و برباد کر دیا جن کی پکڑ ان سے زیادہ سخت تھی۔ تو انھوں نے اپنے پورے علاقے کو چھان مارا کہ کہیں پناہ مل جائے (لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوئے)۔

متعلق قوموں کی مادی اور دنیوی ترقی کی مزید تفصیل

اوپر ان اقوام کے سلسلے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ بڑی حد تک ان کی طاقت اور شان وشوکت کے بیان کے لیے کافی ہے۔ لیکن قرآن میں جا بجا ان اقوام کے احوال کی تفصیل ہے جس میں ان کی ترقی اور خوش حالی کا بیان کیا گیا ہے۔ اس موقع پر اختصار کے ساتھ اس کا احاطہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ان اقوام میں عاد وثمود اور قوم شعیبؑ کی ترقی کا قرآن میں خاص طور پر ذکر ہے۔ دیگر اقوام کے سلسلے میں بھی اس کے واضح اشارے ہیں کہ وہ اپنے وقت کے پیغمبر اور اس کے پیروکاروں کے مقابلے میں زیادہ طاقت ور، مال دار اور شان وشوکت کی حامل تھیں۔ پہلے عاد وثمود اور قوم شعیبؑ کو لیتے ہیں۔

عاد وثمود اور قوم شعیبؑ

قرآن کا یہ موضوع نہیں ہے اور اس کے سلسلے میں اس نے کوئی تصریح نہیں کی ہے، اس لیے ان کے زمانے (Period) کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن آدم ثانی حضرت نوحؑ کے بعد کی ان دونوں قوموں 'عاد وثمود' کی شان وشوکت اور ترقی کی بابت قرآن نے بہت کچھ کہا ہے۔ عاد کے بارے میں قرآن نے ایک بات یہ کہی ہے کہ 'یہ لوگ بڑی قوی ہیکل اور بڑے ڈیل ڈول والے تھے۔

...وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً. (اعراف: ۶۹) ...اور اللہ نے تم کو بڑے ڈیل ڈول والا بنایا۔

تفسیروں میں اس موقع پر یہاں تک لکھا ہے کہ ان کا لمبا آدمی سو ہاتھ کا اور ناٹا آدمی ساٹھ ہاتھ کا ہوا کرتا تھا۔[۱۳] تفسیری روایت ہونے کے ناطے اس کو سو فی صد

درست نہ بھی مانا جائے تب بھی اس قوم کی جسمانی طاقت اور قوت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی نکلتا ہے کہ اس قوم کو قلت تغذیہ (Malnutrition) وغیرہ کا کوئی مسئلہ بھی نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے کہ آدمی دبلا اور کمزور ہو جاتا ہے۔ آج کی پہلی دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کی یہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ وہاں کے لوگ خوب چوڑے چکلے ہوتے ہیں۔ غذا کی فراوانی سے موٹاپا (Obesity) بھی ایک مسئلہ ہوتا ہے۔ جس میں آج پہلی دنیا کا پہلا ممبر امریکہ عظمیٰ سرفہرست ہے۔ یہی معاملہ درجہ بدرجہ یورپ کے دوسرے ملکوں کے ساتھ ہے۔ بلند وبالا اور شان دار عمارتیں ہمیشہ قوموں کی طاقت اور عظمت کا نشان رہی ہیں۔ یہ خصوصیت ثمود کی تھی جو میدانی علاقوں میں شان دار محلات تعمیر کرتی اور پہاڑوں کو تراش کر نمونے کے مکانات تعمیر کرتی تھی:

...... وَبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ج (اعراف: ۷۴)

اور اللہ نے تم کو زمین کا وسیع وعریض رقبہ عطا کیا۔ تم اس کے میدانی علاقے میں محلات تعمیر کرتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر عالی شان مکانات تیار کرتے ہو۔

دوسرے موقع پر اسی طرح کی خصوصیت قوم عاد کی بھی بیان کی گئی ہے۔ اس اضافے کے ساتھ کہ ان کی پکڑ بھی بہت سخت تھی۔ یہ جب کسی قوم کو مارنے یا قتل کرنے پر آتے۔ تو ان کا رویہ بڑا بے رحمانہ ہوتا اور ان کے عذاب سے نجات پانا آسان نہ ہوتا۔[۱۴] یہ لوگ اونچی جگہوں اور اونچے ٹیلوں پر لمبے لمبے منارے (Towers) محض کھیل اور نام ونمود کے مقصد سے تعمیر کرتے تھے۔ اسی طرح اپنے رہنے کے لیے بڑی پر تکلف عمارتیں بنواتے جس میں آخری حد تک کاریگری کا نمونہ دکھایا جاتا تھا اس پورے مضمون کے لیے کتاب اللہ کے الفاظ ہیں:

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ. ٥

(شعراء: ۱۲۸ - ۱۳۰)

کیا ایسا نہیں ہے کہ تم ہر اونچی جگہ پر محض تفریح کے لیے کوئی نہ کوئی نشانی کھڑی کرتے ہو۔ اور انتہائی پر تکلف عمارتیں بنواتے ہو جیسے کہ تم کو مرنا ہی نہیں ہے۔ اور جب تم پکڑتے ہو تو ظلم کی انتہا کرتے ہوئے چھوڑنے کا نام نہیں لیتے ہو۔

آخری آیت کریمہ میں گویا آج کے امریکہ کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ جو عراق اور افغانستان میں گھسا ہے تو وہاں سے نکلنے کا نام نہیں لے رہا ہے۔ اسی موقع پر قوم ثمود کی اوپر کی عمارت سازی کے سلسلے میں بھی کہا گیا ہے کہ یہ اکثر و بیشتر بے مقصد اور محض تفریح و نمائش کے لیے ہوتی تھی۔ اس اضافہ کے ساتھ کہ یہ لوگ بڑے چین سے رہتے تھے اور ان کے گردوپیش سے معاشی خوش حالی پھوٹی پڑتی تھی:

اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِیْمٌ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتاً فٰرِهِیْنَ٥ (شعرا:۱۴۶-۱۴۹)	کیا تم سمجھتے ہو کہ تم جو یہاں ہو تو اسی طرح چین سے پڑے رہو گے ۔ باغات اور چشموں میں اور کھیتوں میں اور نخلستان میں جس کے خوشے پھلوں سے لدے ہوئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اتراہٹ میں ڈوب کر تم پہاڑوں کو تراش کر مکانات تعمیر کرتے ہو۔

اوپر جو 'عاد' کا ذکر ہے اسی کا ایک قبیلہ 'ارم' تھا۔ جس نے تاریخ کا مشہور 'باغ ارم' تعمیر کرایا تھا۔ قرآن کے بیان کے مطابق اس کے بلند و بالا اور شاندار اور بیشمار کھمبوں کی اس زمانے میں دوسری مثال نہ تھی۔ اسی موقع پر ثمود کا بھی تذکرہ ہے:

اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوْا الصَّخْرَ بِالْوَادِ٥ (فجر: ۶.۹)	کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے کھمبوں والے ارم کے عاد کے ساتھ کیا کیا۔ جن کے مانند ملکوں میں کوئی دوسرا پیدا نہیں ہوا۔ یہی حال ثمود کا ہوا جو وادیوں ۱۵ میں چٹانوں کو تراش کر مکانات تعمیر کرتے تھے۔ ۱۶

عاد اور ثمود کی طاقت اور شوکت کا تذکرہ قرآن میں دوسرے مقامات پر بھی ہے۔ ۱۷ جس کی تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ جہاں تک شعیبؑ کی قوم کا سوال ہے تو یہ ایک خوش حال تجارت پیشہ قوم تھی۔ البتہ ان کے اندر خرابی یہ پیدا ہوگئی تھی کہ یہ ناپ تول میں کمی کی بیماری میں گرفتار تھے۔ اور اس سے کسی طرح باز آنے کے لئے تیار نہ

تھے۔ چناں چہ قوم کے نام اپنی دعوت میں حضرت شعیب علیہ السلام کے یہاں تقریباً ہر جگہ ایک اللہ کی بندگی کے بعد اس برائی سے باز آنے کی تاکید کی ہے۔۱۸ لیکن وہ اپنے مالی معاملات میں اعتدالیوں سے بچنے کے لیے کسی صورت آمادہ نہیں تھے۔۱۹ اسی طرح ان لوگوں کا اپنے علاقے میں سماجی اور سیاسی تسلط اور دبدبہ بھی غیر معمولی تھا۔ جس کے نتیجے میں آج کے سپر پاور امریکہ کی طرح مختلف ناکوں پر بیٹھ کر یہ لوگوں کے کپڑے اتروا لیتے اور ان سے زبردستی راہ داری وصول کرتے تھے۔ اور حضرت شعیبؑ پر ایمان لانے والوں کو قتل کی دھمکیاں دے کر ان کو ان کا ساتھ دینے سے باز رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن چوں کہ ان کی نفری قوت غیر معمولی تھی اس لیے کوئی ان سے اٹکنے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔۲۰ یہی بات دوسرے موقع پر قوم ثمود کے سلسلے میں بھی کہی گئی ہے کہ ان کے یہاں جرائم پیشہ افراد کی مختلف ٹولیاں تھیں جن سے بھلائی کا تو کوئی کام نہیں ہوتا تھا۔ البتہ فساد اور بگاڑ کے ہر کام کے لیے وہ مستعد تھیں۔۲۱ جسے آج کی زبان میں چوری، ڈکیتی، قتل و غارت گری، اغوا اور پھروتی وغیرہ سبھی کچھ کو شامل کیا جاسکتا ہے۔۲۲ دوسری جگہ ہے کہ آج کے امریکہ اور یورپ کی طرح وہ لوگوں کے درمیان قرضوں کا جال پھیلا کر اس کے ذریعہ ان کا طرح طرح سے استحصال کرتے تھے۔۲۳ یہاں تک کہ ایک ہی رات میں ان کے لیے اپنے پیغمبر حضرت صالحؑ اور ان کے پورے خانوادے کا پتہ صاف کر دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ جیسا کہ قرآن میں اسی موقع پر اس کی صراحت ہے۔۲۴

دیگر انبیاء اور ان کی اقوام

ان کے علاوہ قرآن میں حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، اور حضرت موسیٰ و ہارون وغیرہ کی دعوتی جدوجہد کی جو تفصیل ہے، اس میں جا بجا اس کا اشارہ ہے کہ یہ حضرات انبیاء اور ان کے پیروکار معاشی، مادی اور نفری ہر لحاظ سے اپنی مخاطب دعوتی قوم کے مقابلے میں کمزور اور بے حیثیت تھے۔ اس میں حضرت نوحؑ کی قوم کے لوگ تو صاف طور پر آں جناب کے پیروکاروں کو 'ارذل' اور 'اراذل' سے تعبیر کرتے تھے۔ جسے آج کی

اصطلاح میں ''ذلت'' اور ''پسماندہ'' کا مترادف قرار دیا جاسکتا ہے۔ اور اپنے مقابلے میں ان کو کسی شمار میں نہیں رکھتے تھے:

...... وَمَا نَرٰکَ اتَّبَعَکَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ وَمَا نَرٰی لَکُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ ...... (ھود:۲۷)	......ہم تو تم کو یہی دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیروکار وہی لوگ ہیں جو پہلی نظر میں ہمارے درمیان سب سے پست ہیں اور ہم کو اپنے اوپر تمہاری بڑائی کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

دوسرے موقع پر بھی ان کی طرف سے پیروان نوحؑ کے لیے اسی اصطلاح کا استعمال ہوا ہے:

قَالُوْآ اَنُؤْمِنُ لَکَ وَاتَّبَعَکَ الْاَرْذَلُوْنَo (شعراء: ۱۱۱)	انھوں نے کہا کہ کیا ہم تم پر ایمان لائیں، جب کہ تمہارے پیروکار انتہائی پست لوگ ہیں۔

جہاں تک نمرود اور اس کے جتھے کی طاقت اور قوت اور اس کے مقابلے میں حضرت ابراہیمؑ کی کمزوری اور بے بسی کا سوال ہے، اس کے بیان کے لیے صرف اس قدر کافی ہے کہ بت شکنی کے جرم میں جب وہ آں جناب کو آگ کے الاؤ میں ڈالنے کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کے فیصلے کے خلاف کسی کی دم مارنے کی مجال نہیں ہوتی ہے۔[۲۵] دوسرے موقع پر حضرت ابراہیمؑ سے مباحثہ میں اپنے دعوے کے حق میں وہ ایک بے گناہ کی گردن اڑا دیتا ہے۔[۲۶] لیکن اس کے اس اقدام کے بارے میں کوئی اس سے پوچھنے والا نہیں ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے حضرت لوطؑ کی بھی اپنی قوم کے مقابلہ میں بے بسی کچھ کم نہیں ہے۔ جو لواطت کے مرض میں گرفتار ان کی قوم کی ہلاکت کے لیے خوبصورت جوانوں کی صورت میں آنے والے فرشتوں کو ان کی نظر بد سے بچانے کے معاملے میں اپنے کو بالکل اسہائے پاتے ہیں۔

قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍo (ھود: ۸۰)	انھوں نے کہا کہ کاش کہ تمہارے مقابلے کے لیے میرے پاس طاقت ہوتی یا کوئی مضبوط سہارا ہوتا جس کی میں مدد لے سکتا۔

دوسرے موقع پر یہی لوگ حضرت لوطؑ اور ان کے پیروکاروں کو اپنی بستی سے نکل جانے کی دھمکی دیتے ہیں ۲۷۔ اس سے بھی ان کی شوکت اور دبدبے کا اندازہ ہوتا ہے۔ فرعون اور اس کی قبطی قوم کے مقابلے میں حضرت موسیٰ و ہارون اور ان کی اسرائیلی قوم کی بے وقعتی اور بے حیثیتی کے بیان کے لیے اپنی قوم کے سلسلے میں حضرت موسیٰ کا یہ اعتراف ہی کافی ہے کہ فرعون نے ان لوگوں کو باقاعدہ اپنا غلام بنا رکھا تھا:

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ ٥ (شعراء: ۲۲)	اور اس احسان کا بدلہ تم مجھ سے یوں چکانا چاہتے ہو کہ تم بنی اسرائیل کے لوگوں کو غلام بنائے رکھو۔

دوسرے موقع پر فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف سے خود اس کا تذکرہ ہے:

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ٥ (مومنون: ۴۷)	تو ان کا کہنا تھا کہ کیا ہم اپنے ہی جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں دریں حالیکہ ان کی قوم ہماری غلامی کے بندھن میں بندھی ہو۔

اس غلامی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل کے بیٹوں کو لگاتار قتل کیا جاتا رہے، البتہ بیگار کے لیے لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ کی دعوتی سرگزشت کے بیان میں قرآن میں تقریباً ہر جگہ اس کا تذکرہ ہے۔ ۲۸

افراد کا بیان

یہ قوموں کا ذکر تھا۔ افراد کے بیان سے بھی اسی حقیقت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ افراد کے بیان میں نمرود کا ذکر اوپر آچکا، فرعون کے بارے میں بھی اگرچہ کچھ بات آچکی ہے۔ لیکن اوپر کی قرآن شریف کی بیان کردہ فہرست میں اس کا خاص طور پر ذکر ہے:

وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ قف (عنکبوت: ۳۹)	اور قارون اور فرعون اور ہامان۔

موجودہ دور کی پہلی دنیا کے فرعونوں کی یوں بھی اس سے کافی مشابہت ہے۔

اس لیے اس فہرست میں اس کا دوبارہ ذکر غیر انسب نہیں ہے۔ اوپر قرآن کے بیان میں اگرچہ اس کا ذکر بیچ میں ہے۔ لیکن اپنے درجے اور رتبے کے لحاظ سے وہ قارون اور ہامان دونوں سے اوپر ہے۔ اس لیے سب سے پہلے اس کی طاقت اور شوکت کے نئے پہلوؤں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یوں بھی آج کے دور میں خاص کر پہلی دنیا کے فرعونوں کا دور دورہ ہے۔ اس لیے ان کے پیش رو فرعون اول کا پہلے ذکر ہونا چاہیے۔ قرآن میں اس فرعون کا اس کی طرف بھیجے گئے پیغمبر حضرت موسیٰؑ سے جو مباحثہ اور مکالمہ ہوا ہے اور جو اس کتاب میں مختلف مقامات پر درج ہے، اس میں جگہ جگہ اس کے وہ اجزاء نشان زد کیے جاسکتے ہیں جس سے فرعون کی دولت اور اس کی طاقت اور اقتدار کا نشہ چھلکا پڑتا ہے۔۲۹ اور اپنے مقابلے میں وہ جناب موسیٰؑ کو بالکل خاطر میں نہیں لاتا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی نظر سورہ زخرف کی آیات ذیل پر پڑتی ہے جس میں فرعون کی فرعونیت اور اس کی نظر میں حضرت موسیٰؑ کی بے وقعتی دونوں کا یکجا بیان ہے:

وَنَادٰی فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِهٖ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ وَّلَا یَکَادُ یُبِیْنُ. (زخرف: ۵۱-۵۲)

اور فرعون نے اعلان کر کے اپنی قوم کو جمع کیا۔ (پھر ان کے سامنے) گویا ہوا کہ اے میری قوم کے لوگو! کیا ایسا نہیں ہے کہ میں مصر کے ملک کا مالک ہوں اور اس کے یہ دریا میرے نیچے بہتے ہیں۔ (جن پر کسی اور کا اختیار نہیں) یہ تو تم دیکھ ہی رہے ہو۔ اب اس شخص (موسیٰؑ) کے مقابلے میں میرے اچھے ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے جو بالکل بے حیثیت ہے اور اپنی بات بھی کھل کر نہیں کہہ سکتا۔

معاصر دنیا میں، جیسا کہ گزرا، پہلی، دوسری اور تیسری دنیا کی تقسیم خالص معاشی اور مادی ترقی کی بنیاد پر ہے دوسرے موقع پر فرعون کی مالداری اور اس کی دنیوی شان و شوکت کا اعتراف خود حضرت موسیٰؑ کی زبان سے ہے جہاں وہ اس کو بددعا کرتے ہوئے

بارگاہ ایزدی میں ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں:

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَا اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالاً فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ. (یونس: ۸۸)

اور موسیٰ عرض پرداز ہوئے کہ پروردگار! آپ نے فرعون اور اس کے ہم نشینوں کو دنیا کی زندگی میں بڑی سج دھج اور مال و منال دے رکھا ہے۔ پروردگار عالم! اس کا نتیجہ ہے کہ یہ لوگوں کو تیرے راستے سے بھٹکاتے ہیں۔ اے پروردگار! ان کے مال و اسباب کو غارت کردے اور ان کے دلوں پر مہر کردے۔ جس کے بعد جب تک کہ یہ دردناک عذاب آنکھوں سے نہ دیکھ لیں ان کو ایمان لانے کی توفیق نہ ہو۔

جب بادشاہ کا یہ دبدبہ اور اس کا یہ طمطراق ہو تو اس کے کسی وزیر با تدبیر کی طاقت اور شوکت کا اندازہ اپنے آپ کیا جا سکتا ہے یہی کچھ معاملہ فرعون کے وزیر 'ہامان' کا ہے۔ قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے وزیروں اور درباریوں میں 'ہامان' کا خاص درجہ ہے۔ وہ اس کا معتمد خصوصی اور اس کا مشیر خاص ہے۔ سورۂ مومن میں حضرت موسیٰ سے اپنے طویل مکالمہ میں جس میں آل فرعون کے مرد مومن کی شمولیت سے ایک خاص رنگ پیدا ہو گیا ہے۔ اور بلا شبہ اس سورہ کا یہ حصہ دعوتی نقطۂ نظر سے قرآن کے منتخب مقامات میں سے ہے۔ اس مکالمہ میں فرعون ایک موقع پر جب موسیٰ کے خدا کا پتہ لگانے کے لیے ایک فلک نما عمارت بنوانے کی خواہش کرتا ہے تو اس کے لیے اس کی نگاہِ انتخاب اس کے اس معتمد خاص 'ہامان' پر پڑتی ہے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِىْ صَرْحاً لَّعَلِّىْ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِباً (مومن: ۳۶-۳۷)

اور فرعون نے کہا کہ اے ہامان! میرے لیے ایک محل تعمیر کراؤ جس سے کہ میں بلندیوں تک پہنچ سکوں۔ آسمانوں کی بلندیوں تک تاکہ میں جھانک کر موسیٰ کے خدا کو دیکھ سکوں۔ یہ الگ بات ہے کہ میں اس کو پرلے درجے کا جھوٹا سمجھتا ہوں۔

یقیناً شہ کے مصاحب کو حق ہے کہ وہ اترائے اور اپنی طاقت اور دولت پر ناز کرے، سو بادشاہ کے کسی وزیر کا اگر یہ حق ہے تو اس حق کا سب سے بڑا حق دار دنیا کے سب سے بڑے بادشاہ 'فرعون' کا وزیر 'ہامان' ہی ہوسکتا ہے۔ اس فہرست میں تیسرا نام 'قارون' کا ہے جو آج بھی دنیا میں مال اور دولت کی علامت کے طور پر جانا جاتا ہے۔ قرآن میں اس کا تفصیلی تذکرہ سورہ قصص میں ہے۔ اس کے مطابق قارون کا تعلق تھا تو بنی اسرائیل یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے لیکن دنیا پرستی میں گرفتار ہوکر وہ فرعون کی ٹولی سے جاملا۔ اور اس کے ذریعہ بنی اسرائیل پر مظالم کے جو پہاڑ توڑے جارہے تھے اس میں وہ ان کا دست و بازو بن گیا۔ اور اس کی بدولت اس نے اپنے پاس خزانے اور دولت کا بڑا انبار جمع کیا۔ یہاں تک کہ اس کے خزانوں اور تہہ خانوں کی کنجیاں اتنی بھاری اور بڑی تعداد میں تھیں کہ پہلوانوں کی پوری پوری ٹولیاں مل کر ہی ان کو اٹھانے میں کامیاب ہو پاتی تھیں:

وَاٰتَیْنٰهُ مِنَ الْکُنُوْزِ مَا اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِ ق (قصص: ۷۶)	اور ہم نے اس کو وہ خزانے دے رکھے تھے کہ اس کی کنجیوں کو طاقت ور انسانوں کی پوری ایک جماعت بھی بڑی مشکل سے اٹھا پاتی تھی۔ ۳۰

آگے ہے بنی اسرائیل کے نیک لوگوں نے اس کو بہت سمجھایا کہ وہ اپنی دولت پر نازاں نہ ہو۔ بلکہ اس کے ذریعہ آخرت کو سنوارنے کی کوشش کرے، لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرے اور فتنہ فساد سے اپنے کو دور رکھے۔ لیکن اس کو نشہ تھا کہ یہ سب کچھ اس نے اپنی لیاقت اور صلاحیت کے بل پر حاصل کیا ہے۔ اس پر قرآن کا یہ تبصرہ آج کے دور کے قارونوں کے لیے لائق توجہ ہے:

اَوَلَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَکَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَکْثَرُ جَمْعًا ط وَلَا یُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ (قصص: ۷۸)	کیا اس کو پتہ نہیں ہے کہ اللہ نے اس سے پہلی کتنی ہی قوموں کو تباہ و برباد کر دیا ہے جو اس سے بہت زیادہ طاقت ور اور بڑی جتھے والی تھیں۔ اور اپنے کرتوتوں کے بارے میں مجرموں سے دریافت نہیں کیا جائے گا (کہ ان کی مرضی کے مطابق ان کا فیصلہ ہو)

آگے اسی سلسلے میں ہے کہ ایک دن وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی دولت کی نمائش کرنے کے لیے پورے تام جھام کے ساتھ نکلا جس کو دیکھ کر کوتاہ بینوں کی نگاہیں خیرہ ہوگئیں اور وہ اپنے لیے ویسے ہی مال ودولت کی تمنا کرنے لگے۔ لیکن جو صاحب نظر تھے انھوں نے آخرت کے بدلے ہی کو اپنے لیے قابل ترجیح سمجھا۔ اب اللہ کی طرف سے قارون کی مہلت عمل ختم ہوچکی تھی چناں چہ وہ اپنے بھرے پرے گھر سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا اور کسی کی مدد اس کے کام نہ آسکی۔ اب اس سے پہلے جن لوگوں کے طرف سے اس کے جیسے مال دولت کی آرزو کی گئی تھی، ان کے ہوش ٹھکانے آئے۔ وہ کہنے لگے اللہ کا بڑا کرم ہوا، ورنہ اپنے جرم کی پاداش میں ہم بھی اسی طرح زمین میں دھنسا دیے جاتے۔ اس کے بعد پورے واقعہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبصرہ ہے۔ جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ اس کی نظر میں کون پہلے اور کون پیچھے ہے۔ اور اسی کی روشنی میں صحیح معنوں میں آج کے حالات میں پہلی، دوسری اور تیسری دنیا کا تعین کیا جاسکتا ہے:

تِلْکَ الدَّارُ الْآخِرَۃُ نَجْعَلُھَا لِلَّذِیْنَ لَایُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝ (قصص: ۸۳)	اور آخرت کے اصلی گھر کا حق دار تو ہم انہی لوگوں کو قرار دیں گے جو زمین میں سرکشی اور فتنہ فساد نہیں چاہتے۔ اور یہ انجام کار (اللہ سے) ڈرنے والوں کے لیے ہے۔

سورہ عنکبوت کی طرح جس کا ذکر اوپر گزرا سورۂ مومن میں بھی آج کے لحاظ سے پہلی دنیا کے ان تینوں ممبروں کا تذکرہ ایک ساتھ ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۙ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَھَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ کَذَّابٌ ۝ (مومن: ۲۳-۲۴)	اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور ایک خاص کھلی دلیل کے ساتھ فرعون، ہامان اور قارون کے پاس بھیجا۔ تو ان کا ٹکا سا جواب تھا کہ یہ جادوگر اور پرلے درجے کا جھوٹا ہے۔

جو معاملہ اس زمانہ میں حضرت موسیٰ کے ساتھ ان سرکشوں کا تھا، ایسا ہی کچھ رویہ مکہ کے کفار و مشرکین کا آخری پیغمبر محمد ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ ﷺ بھی چوں کہ کوئی

رئیس اور مالدار نہ تھے اس لیے آپ ﷺ کی پیغمبری ان کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ چناں چہ ان کا کہنا تھا کہ اگر قرآن کو اترنا ہی تھا تو اسے مکہ یا طائف کے کسی بڑے آدمی کے پاس اترنا تھا:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ. (زخرف:۳۱)	اور ان کا کہنا تھا کہ کیوں نہ یہ قرآن (مکہ اور طائف کی) دو بستیوں میں کسی بڑے آدمی کے پاس اتارا گیا۔

اس کے بعد اس پر قرآن کا جو تبصرہ ہے اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ اس کے نزدیک بلندی اور پستی کا کیا پیمانہ ہے۔ اور اللہ نے دنیا میں مال و دولت کے لحاظ سے کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے رکھا ہے تو اس کی حکمت کیا ہے۔ نیز یہ کہ اس کی نظر میں بڑائی اور عظمت کا اصل معیار کیا ہے۔ جس کے لحاظ سے آج کی اصطلاح کے مطابق پہلی، دوسری اور تیسری دنیا کا تعین کیا جا سکتا ہے:

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ط نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ط وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ (زخرف:۳۲)	کیا تیرے رب کی رحمت کی تقسیم کا ذمہ ان کو مل گیا ہے۔ اس کے بجائے یہ ہم ہیں جس نے دنیا کی زندگی میں وسائل رزق کو ان کے درمیان بانٹ رکھا ہے۔ اور لوگوں کو نیچے اوپر اس لیے کر رکھا ہے تا کہ ایک دوسرے سے کام لے سکے۔ اور (اے نبیؐ) تیرے رب کی رحمت اس سے بہت اچھی ہے جو کہ لوگ بٹور کر رکھ رہے ہیں۔

بلندی اور پستی کا اصل معیار:

قرآن میں اس کے علاوہ دوسرے اشارات بھی ملتے ہیں جس سے اس کے بلندی اور پستی اور اونچے اور نیچے ہونے کے اصل معیار کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک موقع پر

بادشاہت کے مقابلے میں نبوت کو مقدم رکھا گیا ہے۔سورۂ مائدہ میں حضرت موسیٰ کی طرف سے اپنی قوم بنی اسرائیل پر اللہ کے احسانات کے بیان میں ہے:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ۝ (مائدہ: ۲۰)

اور غور کے قابل ہے جب موسی نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ لوگو! اپنے اوپر اللہ کے احسانات کو یاد کرو جبکہ اس نے تمہارے درمیان نبی بھی بنائے اور اس نے تم کو بادشاہت سے بھی نوازا۔ اور (اس طرح) اس نے تم کو وہ کچھ دیا جو دنیا والوں میں سے کسی کو نہیں دیا۔

اس آیت کریمہ میں نبوت کو بادشاہت کے اوپر رکھا گیا ہے۔ بلا شبہ قوم بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ سے پہلے حضرت یوسفؑ اور ان کے بعد حضرت داوٗدؑ اور ان کے بیٹے حضرت سلیمانؑ جیسے پیغمبر پیدا ہوئے جو ایک ہی وقت میں نبوت و بادشاہت دونوں کے منصب پر فائز رہے۔لیکن یہ استثنائی مثالیں ہیں۔ عام یہی ہے کہ وہاں نبوت کی دولت الگ اور بادشاہت کی دولت الگ ہو۔آیت کریمہ کی تعمیم اس کا پتہ دیتی ہے کہ حضرت موسیٰ سے پہلے اور بعد ان کے یہاں ان دونوں کی کثرت اور فراوانی رہی۔یعنی کہ انبیاء وہ رہے جن کا بادشاہت سے کوئی تعلق نہ تھا اور بادشاہ وہ رہے جو نبوت کے منصب سے عاری تھے لیکن اس موقع پر قرآن کا نبوت کو بادشاہت سے مقدم رکھنا اس کے حق میں صریح ہے کہ دنیوی جاہ وعزت اور دولت و اقتدار کے مقابلے میں علم ومعرفت اور ربانی رشد و ہدایت کی قیمت اس کی نظر میں زیادہ ہے۔ دوسرے نظائر سے بھی اسی کی تصدیق ہوتی ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی التجاء پر ان کے زمانہ کے نبی اسمٰعیل کی دعا کے نتیجے میں جب ان کے اوپر 'طالوت' کو بادشاہ بنا کر بھیجا تو اس پر ان لوگوں کو اعتراض ہوا کہ یہ بادشاہت کے حق دار کس طرح ہو سکتے ہیں جب کہ ان کی مالی حیثیت مستحکم نہیں ہے:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ۝ (بقرۃ: ۲۴۷)	اور ان سے ان کے نبیؑ نے کہا کہ اللہ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ وہ ہمارے اوپر بادشاہ کیسے ہو سکتے ہیں۔ ان سے زیادہ تو بادشاہ بننے کے ہم حق دار ہیں دوسری کمیوں کے علاوہ ان کو مال کی فراوانی حاصل نہیں ہے۔

اس کے جواب میں پیغمبر وقت کا کہنا تھا کہ اللہ نے ان کو علمی اور جسمانی صلاحیت میں تمہارے اوپر فوقیت دی ہے اور حکومت اور سربراہی کے لیے مال و دولت کے مقابلے میں ان اوصاف کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے:

قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۝ (بقرۃ: ۲۴۷)	پیغمبر بولے کہ اللہ نے ان کو تمہارے اوپر منتخب کیا ہے اور ان کو بڑھی ہوئی علمی اور جسمانی قوت عطا کی ہے۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے اقتدار سے نوازتا ہے۔ اور اللہ کشادگی والا، بڑے علم والا ہے۔

تیسری مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہے۔ جن کو ان کے مشہور قصے میں حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحب زادیوں میں سے ایک نے ان کی جسمانی قوت اور امانت داری کی بنیاد پر ان کو اپنے ہاں ملازم رکھے جانے کا مشورہ دیا:

قَالَتْ اِحْدٰهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِىُّ الْاَمِيْنُ۝ (قصص: ۲۶)	ان دونوں میں سے ایک بولی کہ ابا جان! ان کو ملازم رکھ لیجیے۔ آپ کے لیے اس سے اچھا ملازم اور کون ہوسکتا ہے جو طاقت ور بھی ہو اور امانت دار بھی۔

آیت کریمہ کی معروف تفسیر کے مطابق جس کی تصدیق اس سلسلۂ بیان کے اشارات سے ہوتی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں بہنوں کے ریوڑ کو تھکے بغیر

کنویں سے پانی نکال کر سیراب کر دیا اور ان غیر شادی شدہ لڑکیوں سے معاملہ کرتے ہوئے قدم قدم پر اپنی نیک نفسی اور پاکدامنی کا مظاہرہ کیا، اپنے اسی تجربے کی بنیاد پر انھوں نے اپنے باپ کے سامنے ان کی جسمانی قوت اور اخلاق کی پاکیزگی اور ایمانداری کی گواہی دی۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ معاملات دنیا میں اسلام اور قرآن کا کسی کو آگے اور پیچھے رکھنے کا کیا پیمانہ ہے۔ صرف مال و دولت اور وسائل حیات کی فراوانی کو وہ کسی کے اوپر اور نیچے ہونے کا معیار تسلیم نہیں کرتا۔ دوسرے موقع پر شادی کے معاملے میں آزاد مشرک عورت کے مقابلے مسلمان باندی، اسی طرح آزاد مشرک مرد کے مقابلے مسلمان غلام کو ترجیح دی گئی ہے۔[۳۲] اس سے بھی اسلام اور قرآن کی اسی پسند کا اندازہ ہوتا ہے۔ افراد کی طرح اقوام کے معاملے میں بھی اسلام اور قرآن کا یہی معیار ہے۔ معنوی خوبیوں سے محروم ہو کر محض دولت کی فراوانی اور سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی کی بنیاد پر کچھ قوموں اور ملکوں کا اپنے کو 'پہلی دنیا' اور باقی کو 'دوسری' اور 'تیسری دنیا' قرار دینا، اسلام اور قرآن کے لیے قابل قبول نہیں ہوسکتا۔

پہلی، دوسری اور تیسری دنیا کی صحیح ترتیب

اس تفصیل کی روشنی میں پہلی، دوسری اور تیسری دنیا کی صحیح ترتیب وہ نہیں ہے جس کا آج یورپ کی ترقی یافتہ اقوام نے پروپگنڈہ کے زور پر باقی دنیا کو قائل کرلیا ہے۔ یعنی کہ مادی خوش حالی اور سائنس وٹکنالوجی کی ترقی کے لحاظ سے یورپ، امریکہ اور ایشیاء کے جو ممالک سب سے آگے ہیں ان کا تعلق پہلی دنیا سے ہے۔ اس ترقی کے لحاظ سے دنیا کے جن ملکوں کا نمبر ان کے بعد ہے وہ دوسری دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور جو اس معاملے میں ان دونوں سے پیچھے ہیں وہ تیسری دنیا کے نمائندے ہیں۔ جس میں ہمارے ملک ہندوستان سمیت ایشیاء اور افریقہ کے بڑے ممالک شامل ہیں۔ اس کے بجائے صحیح معنوں میں اگر دنیا کی پہلی، دوسری اور تیسری دنیا میں تقسیم ہونی ہے تو یہ تقسیم ایمان، عقیدے اور اخلاق کی بنیاد پر ہونی چاہیے۔ ربانی ہدایت اور صحیح نظام زندگی کی بدولت دنیا کا جو ملک یا

ملکوں کا مجموعہ صحیح عقیدے اور اخلاق عالیہ کی دولت سے جس درجے میں مالا مال ہو وہ پہلی دنیا اور جو اس معاملے میں ان سے درجہ بدرجہ قریب ہوں وہ اسی ترتیب دوسری اور تیسری دنیا میں رکھے جائیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اپنی دوسری بہت ساری کمزوریوں اور خامیوں کے باوجود عقیدے اور اخلاق کی جو دولت عالم عرب اور عالم اسلام کو میسر ہے، دنیا کا کوئی دوسرا ملک اس میں ان کا شریک وسہیم نہیں۔ اس سرزمین میں بغیر نکاح کے کسی عورت کو قانونی جواز کے ساتھ بیوی بنائے رکھنے کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس کا تو خواب میں بھی تصور نہیں کیا جاسکتا کہ کسی مسلمان ملک کی پارلیامنٹ سے ہم جنس پرستی اور ہم جنسوں کی شادی کے جواز کا قانون پاس ہوسکے۔ جب کہ آج کی پہلی دنیا کے یہ معروف مظاہر ہیں۔ امریکہ میں غیر شادی شدہ بیویوں کا رواج روز افزوں ہے۔[۴۳] دوسرے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک میں اوسطا ایک مرد کا ایک وقت آٹھ عورتوں سے ناجائز تعلق ہوتا ہے۔[۴۴] اسی پر سماجی، معاشی اور سیاسی زندگی کی دوسری بے اعتدالیوں کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔ صرف سیاسی سطح پر جنگ عظیم اول سے لے کر آج عراق اور افغانستان میں یورپ کے ترقی یافتہ ملکوں کے ذریعہ سے جو کچھ کیا جارہا ہے اس کے پیش نظر ان کا اپنے آپ مٹھو بننا اور خود کو 'پہلی دنیا' قرار دے لینا کچھ بہت زیادہ زیب نہیں دیتا۔

اس پس منظر میں اپنی صحیح ترتیب میں پہلی دنیا عالم عرب اور عالم اسلام ہے۔ یعنی کہ دنیا کا وہ خطہ جس میں کہ مکہ اور مدینہ واقع ہے۔ مکہ وہ شہر جس میں اللہ کا وہ گھر ہے جو قیامت تک کے لیے دنیا کے تمام انسانوں کے لیے رشد و ہدایت کا مرکز ہے۔[۴۵] اس سرزمین کے دوسرے شہر مدینہ میں اللہ کے آخری رسول ﷺ کی ابدی آرام گاہ ہے جن پر اور جن کے اوپر نازل ہونے والی اللہ کی آخری کتاب پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص اپنے کو دوزخ کے عذاب سے بچانے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ مکہ اور مدینہ کے ان دونوں مقدس شہروں سے متصل وہ پھیلا ہوا عالم عرب اور اسلام ہے جس کے چپے چپے پر آپ ﷺ کے اصحابؓ اور ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین کی قبریں اور ان کی قائم کردہ وہ یادگاریں ہیں، جن سے بہتر اور جن سے اچھی انسانی جماعت اس سے پہلے روئے زمین پر پیدا ہوئی

نہ آئندہ ہو سکے گی، جیسا کہ اس سے متعلق اللہ کے آخری رسول ﷺ کا واضح فرمان ہے۔۳۶ پھر اس عالم اسلام کا قلب عرب کی وہ سرزمین ہے جس کے متعلق اللہ کے نبی ﷺ کا دوسرا ارشاد ہے کہ: شیطان قیامت تک کے لیے اس سے مایوس ہو چکا ہے کہ عرب کی سرزمین میں اس کی بندگی کی جا سکے گی۔۳۷ اپنی بعض عملی کمزوریوں اور خامیوں کے باوجود یہ سرزمین قیامت تک کے لیے صحیح عقیدے اور عمل صالح کا مرکز ہے۔ اور آخری وقت تک اس سے رشد و ہدایت کی کرن پھوٹتی رہے گی اور یہاں سے اس کے لازوال سرچشمے جاری رہیں گے۔۳۸

قرآن اور اسلام کے اوپر کے قائم کردہ معیار کے مطابق دوسری دنیا ہندوستان اور اس جیسے مخلوط آبادی والے دوسرے ممالک ہیں جہاں کفر و شرک کی گڑبڑی اور خرابی کے ساتھ اسلام اور اس کی نام لیوا امت بہت قابل لحاظ تعداد میں موجود ہے۔ اس کی روشنی سے کفر و شرک کا اندھیرا چھٹتا رہتا اور الحاد اور انکار خدا پر مسلسل ضرب پڑتی رہتی ہے۔ ان کے کونے کونے میں پانچ وقت کی اذان سے روئے زمین پر خدائے واحد کی بندگی کا اعلان ہوتا ہے۔ اور ان کے اوپر بسنے والی امت دنیا میں خیر کی داعی اور بدی اور بے حیائی کے راستے کی رکاوٹ ہے۔

تیسری دنیا یورپ، امریکہ اور افریقہ کے وہ ممالک ہیں جہاں مسلمان امت تعداد میں کم اور نا قابل لحاظ حالت میں ہے۔ جس کی وجہ سے کفر و شرک اور بدی اور بے حیائی کے ان ممالک میں اس کی روشنی بھی اسی کے لحاظ سے کم بکھر پاتی ہے۔ اسی میں جنوب ایشیاء کے جاپان جیسے ممالک بھی شامل ہیں جو مادی ترقی کے لحاظ سے آج کی پہلی دنیا میں شامل ہو سکتے ہیں، لیکن اسلام اور مسلمانوں کی دولت سے محرومی کے سبب سے ہمارے حساب سے وہ تیسری دنیا میں شامل قرار پاتے ہیں۔

انصاف پسند اسکالرس، محققین اور خطباء سے امید کی جاتی ہے کہ اوپر کی ہماری پیش کردہ پہلی، دوسری اور تیسری دنیا کی ترتیب پر ہمدردانہ غور کریں گے۔ اور اس کی روشنی میں اپنے علمی اور عملی رویے کو متعین کرنے کا حوصلہ پیدا کریں گے۔ اور اس سے بڑی اصل

بات یہ ہے کہ اس کے آئینے میں وہ دنیا کی زندگی میں اصل سچائی اور خدا کی عطا کردہ صحیح رہنمائی کا سراغ لگانے کی کوشش کریں گے۔ اسی طرح مسلمان اہل علم، ادیبوں، صحافیوں اور خطیبوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنی تقریر وتحریر میں آج کی پامال 'پہلی' دوسری اور تیسری دنیا کی اصطلاح کے استعمال سے گریز کریں۔ اور تحریر وتقریر میں ان دنیاؤں کے اس تصور کو ابھاریں جس کی اس سے اوپر تفصیل کی گئی ہے۔ تاکہ باقی دنیا کو غفلت سے تنبہ ہوتا رہے اور وہ اس عارضی دنیا کی وقتی چمک دمک سے اوپر اٹھ کر آخرت کی ہمیشہ کی زندگی کو اپنا مطمح نظر اور اس کی تیاری میں اپنے کو مستعد کر لے۔

اپنی آخری کتاب میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کا صاف کہنا ہے:

لَایَسْتَوِیْ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُوْنَ۝ (حشر: ۲۰)

دوزخی اور جنتی دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ کامیاب تو بس وہی ہیں جو کہ جنتی ہیں۔

نیز یہ کہ:

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ۝ (ص:۲۸)

ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو زمین میں فساد مچانے والوں کے برابر کردیں۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم پرہیزگاروں اور بدکاروں کو برابر کردیں۔

سو دنیا کے جس خطے اور علاقے میں یہ جنتی اور متقی بڑی تعداد میں ہوں گے وہ اسی لحاظ سے دوسروں سے اچھا اور اونچا ہوگا۔ اور جہاں اہل دوزخ اور فاسقوں اور فاجروں کی جتنی کثرت ہوگی وہ اسی کے مطابق نیچے اور پست ہوں گے۔ آج کی پہلی دنیا کا مادی ترقی کے نشہ میں چور ہوکر اپنے کو مہذب دنیا (Civilized World) کا خطاب دے لینا۔[۳۹] اور بعض مسلمان ملکوں کو بدمعاش ممالک (Rogue Countries) سے تعبیر کرنا،[۴۰] ایک دھوکہ ہے۔ قیامت کا پردہ اٹھنے پر ان کی یہ غلط فہمی رفع ہوجائے گی۔ لیکن اس وقت ان کا چیتنا کچھ فائدہ مند نہ ہوگا۔ کیا ہی بہتر ہو کہ وہ اس سے پہلے اپنے خواب غفلت سے بیدار ہوجائیں۔ اور باقی دنیا کو بھی ہوش مندی کی توفیق حاصل ہو۔ وما علینا الا البلاغ.

حواشی ومراجع

۱ گروپ ۸ (G8) کے یہ ممالک ہیں: امریکہ، کناڈا، فرانس، جرمنی، اٹلی، جاپان، روس اور بریطانیہ۔ ان ممالک کے سربراہوں کا ایک چوٹی اجلاس اس وقت برطانیہ کی میزبانی میں اسکاٹ لینڈ میں ہورہا ہے۔ اردو روزنامہ سہارا دہلی ۷/جولائی ۲۰۰۵ء خبر بعنوان 'جی ۸ کے سربراہوں کا چوٹی اجلاس شروع' جس میں مدعو خصوصی کی حیثیت سے ہندوستانی وزیراعظم منموہن سنگھ کی بھی شرکت ہے۔

۲ ایک حوالہ کے لیے، تفسیر الجلالین: ۵۶، طبع جدید دار المعرفۃ، بیروت ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء، طبع اولیٰ۔

۳ موضح القرآن/۶۶۴، طبع قدیم تاج کمپنی لاہور، کراچی، بدون سنہ۔

۴ موضح القرآن، حوالہ سابق۔

۵ الکشاف عن حقائق التنزیل: ۲۰۶/۳، مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ، مصر، طبعہ اخیرہ ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء، تحقیق روایات: محمد صادق قمحاوی۔

۶ آیات: ۸۱-۸۲۔

۷ قمر: ۳۴۔

۸ ہود: ۶۷، قمر: ۳۱۔

۹ ہود: ۹۴، حجر: ۷۳۔

۱۰ تفسیر الجلالین/۴۰۴، محولہ بالا۔

۱۱ موضح القرآن/۵۱۴، طبع مذکور، البتہ یہاں ترجمہ میں صرف 'اسباب' ہے۔ دنیا کا اضافہ ہم نے کیا ہے۔

۱۲ منظر کی تشریح صاحب جلالین کی اور 'نمود' کا ترجمہ حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ کا ہے۔ حوالہ سابق۔

۱۳ ایک حوالہ کے لیے تفسیر الجلالین/۲۰۳، طبع مذکور۔

۱۴ صاحب جلالین نے 'مصانع' کی تفسیر یہ کی ہے کہ پانی ذخیرہ کرنے کے لیے زیر زمین حوض اور ٹنکیاں تعمیر کرتے ہو: (وتتخذون مصانع) للماء تحت الارض۔ تفسیر الجلالین/ ۴۸۸۔

۱۵ عربی تفسیروں میں عام طور پر اس کے معنی 'وادی القریٰ' بیان کیے گئے ہیں۔ تفسیر الجلالین/ ۸۰۶، روح المعانی: ۳۰/۱۲۴۔ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ (مصر) تصحیح و تعلیق، سید محمود شکری آلوسی، بغدادی، دوسرے موقع پر اس کی صراحت ہے کہ 'وادی' کی یہ تفسیر مفسر مقاتل کی ہے: مفاتح الغیب المشتہر بالتفسیر الکبیر: ۸/۳۹۶، مطبع عامرہ شرفیہ (مصر) طبعہ اولی ۱۳۰۸ھ۔ دوسرے موقع پر یہی بات ابن اسحاق کے حوالہ سے کہی گئی ہے۔ تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۵۰۸، مکتبہ تجاریہ کبریٰ، مصر ۱۳۵۶ھ۔ البتہ یہ قابل ذکر ہے کہ ان کے پیش رو مفسر طبری م ۳۱۰ھ کے ہاں 'وادی القریٰ' کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کے بجائے اس حصے کی ان کے یہاں جو تفسیر ہے اس کو عموم کے معنی میں زیادہ سمجھا جاسکتا۔ یعنی کہ 'واد' کو وادیوں کے معنی میں لیا جاسکتا ہے۔ **جابوا الصخر بالواد ضربوا اليوت والمساكن فی الصخر فی الجبال حتی جعلوها مساكن:** جامع البیان: ۳۰/ ۹۸، طبع قدیم مطبع میمنہ، مصر۔ یعنی کہ انھوں نے پہاڑوں میں پتھروں کو تراش کر اپنے رہنے کے لیے مکانات اور گھر تیار کیے۔ لیکن یہ استثناء ہے۔ عام تفسیر 'وادی القریٰ' ظاہر کی ہے۔ اور اس کی پیروی ہمارے اردو تراجم و تفاسیر میں کی گئی ہے جہاں ہر جگہ اس کا ترجمہ اور تفسیر وادی یا وادی القریٰ سے کی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا ترجمہ ہے: جو وادی القریٰ میں (پہاڑ کے) پتھروں کو تراشا کرتے تھے (اور مکانات بنایا کرتے تھے)۔ اشرف الشان اختصار شدہ ترجمہ و تفسیر از بیان القرآن/ ۷۱۹، مدینہ بک ڈپو اردو بازار دہلی۔ مثل لاہور تاج کمپنی۔ جب کہ شیخ حضرت شیخ الہند کے یہاں اس کا ترجمہ 'وادی' اور اس کی تشریح اس طرح کی گئی ہے: 'وادی القریٰ' ان کے مقام کا نام ہے جہاں پہاڑ کے پتھروں کو تراش کر نہایت محفوظ اور مضبوط مکان بناتے تھے۔ ترجمہ شیخ الہند مع تفسیر

عثمانی /۴۷۷، مدینہ پریس، بجنور۔ دیگر اردو تراجم و تفاسیر میں بھی اسی کا اعادہ ہے۔
ہم نے اس کے بجائے وادی کو عام رکھا ہے۔ اور اس کا ترجمہ بجائے واحد کے جمع
سے کیا ہے۔ اوپر عماد اور بلاد اور آگے اوتاد اور بلاد کا جو وزن ہے اس کی ضرورت
سے اس کی پوری گنجائش ہے کہ جمع کے بجائے لفظ کو واحد لایا جائے۔ لیکن وہ 'ھــو'
واحد کے بجائے جمع کے معنیٰ میں۔ ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ عربی کی
دیگر معروف تفاسیر خازن اور بغوی میں بھی 'واد' کی یہی تفسیر 'وادی القریٰ' سے کی گئی
ہے: ۲۰۳/۶۔ جس سے ہم کو اختلاف ہے۔ تفسیر خازن کا اصل نام لباب التأویل فی
عمائی التنزیل ہے۔ جو محی السنۃ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم الفہد ادی الصوفی کی
تفسیر ہے۔ جو خازن کے نام سے معروف ہے۔ مصنف اس کی تالیف سے ۱۰ر
رمضان المبارک ۷۲۵ھ بروز بدھ فارغ ہوئے۔ اسی طرح تفسیر بغوی جو محی السنۃ ابو
محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی م ۵۱۶ھ کی تفسیر ہے اس کا اصل نام 'معالم
التنزیل فی التفسیر ہے۔ یہ خازن کے حاشیہ پر ہے جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔
مطبوعہ مکتبہ التقدم العلمی، مصر۔ رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ۔

۱۶ مشہور روایت کے مطابق انھوں نے اپنی قلمرو میں ایک ہزار سات سو شہر آباد کیے تھے
اور ان سب کی تعمیر پتھروں کو تراش کی ہوئی تھی۔ الکشاف عن حقائق التنزیل: ۱۵۱/۴،
مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ، مصر، طبعہ اخیرہ ۱۳۶۲ھ، ۱۹۷۲ء۔ مفاتیح الغیب: ۸/
۳۹۶، محولہ بالا۔ تفسر روح المعانی: ۱۲۴/۳، البتہ اس تعداد کی صحت پر یہاں شک
ظاہر کیا گیا ہے۔ اور یہی ہماری ترجیح ہے۔ والعلم عند اللہ۔

۱۷ ہود: ۵۲، حجر: ۸۲، حم السجدہ: ۱۵، احقاف: ۲۶۔

۱۸ اعراف: ۸۵۔

۱۹ ہود: ۸۷

۲۰ تفسیر الجلالین/ ۲۰۵، تحت آیت کریمہ: اعراف: ۸۶۔

۲۱ قرآن کی صراحت سے یہ کل نو ٹولیاں تھیں۔ نمل: ۴۸۔

۲۲ اس موقع پر قرآن کے مجمل بیان کی یہ ہماری تفسیر ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۳ تفسیر الجلالین/ ۵۰۰۔ البتہ اس موقع پر یہ اتنا صاف نہیں ہے۔ بحمد اللہ ہم نے اس کو کھول دیا ہے۔

۲۴ نمل: ۴۹

۲۵ انبیاء: ۶۸-۷۰، صافات: ۹۷-۹۸۔ عنکبوت: ۲۴۔ ان تینوں ہی مواقع پر اس کا ذکر حضرت ابراہیمؑ کی قوم کے حوالہ سے ہے۔ لیکن ملک کے بادشاہ اور حکمراں کی مرضی کے بغیر اس کے حدود سلطنت میں ایسا کوئی بڑا اقدام نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے بالواسطہ اس واقعہ کو اس کے کھاتے میں ڈالا جا سکتا ہے۔

۲۶ بقرہ: ۲۵۸، اس آیت کریمہ کے ذیل میں تفسیر میں ہر جگہ اس کی صراحت ہے۔

۲۷ اعراف: ۸۲، نمل: ۵۶۔

۲۸ بقرہ: ۴۹۔ اعراف: ۱۲۷، ۱۴۱۔ ابراہیم: ۶۔ قصص: ۴

۲۹ قرآن میں دوسرے موقع پر بھی اس کی مال داری کا ایسا ہی بیان ہے: وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ۔ اور فرعون میخوں والا۔ جس کی ایک تفسیر کے مطابق اس کے لشکر کے گھوڑوں کو باندھنے کے لیے سونے کی میخیں استعمال کی جاتی تھیں۔ موضح القرآن/ ۹۹۵، محولہ بالا۔ دوسری تفسیر کے مطابق اس سے مراد چار میخیں ہیں جن میں وہ جس کو سزا دینا چاہتا اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر بندھوادیا کرتا تھا۔ تفسیر الجلالین/ ۸۰۶، طبع بالا۔ اس سے اس کے غیر معمولی اقتدار اور دبدبے کا اندازہ ہوتا ہے۔ دونوں تفسیروں کے مطابق چونکہ اس کی اس کے ساتھ شہرت تھی اس لیے اس کو 'میخوں والا' ذِی الْاَوْتَادِ کے لقب سے یاد کیا گیا۔

۳۰ اس کے بارے میں یہ جو مشہور ہے کہ یہ کنجیاں خچروں پر لاد کر لائی جاتی تھیں تو قرآن سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ یہاں جو لفظ 'عصبہ' استعمال ہوا ہے وہ انسانوں کی جماعت کے لیے ہی بولا جا سکتا ہے جانوروں کے لیے نہیں۔ سورۂ یوسف میں برادران یوسف نے اس کا استعمال اپنے لیے کیا ہے: قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ

اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ۝ (۱۴)۔

۳۱ جیسا کہ معروف ہے یہ پیغمبر حضرت سموئیل علیہ السلام تھے۔ ایک حوالہ کے لیے: تفسیر الجلالین/۶۳۔

۳۲ بقرہ: ۲۲۱۔ آیت کریمہ کے الفاظ ہیں: وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ط وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ج وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ط وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ط اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ج وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ج وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

۳۳ اس سلسلے کے ایک تازہ حوالہ کے لیے روزنامہ راشٹریہ سہارا دہلی ۲۰ر جولائی ۲۰۰۵ء خبر زیر عنوان: امریکہ میں شادی کے بغیر ساتھ رہنے کی روایت عروج پر۔

۳۴ Q.T.U چینل پر ڈاکٹر ذاکر نائک کے ایک پروگرام سے براہ راست۔

۳۵ سورۂ آل عمران کی آیت کریمہ: ۹۶: اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

۳۶ ایک حوالہ کے لیے: ابو جعفر الطحاوی م ۳۲۱ھ: مشکل الآثار ۳/ ۱۷۷۔ دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد الدکن، ۱۳۳۳ھ، طبعہ اولیٰ۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اللہ کے رسول ﷺ کے الفاظ ہیں: خیر امتی قرنی ، ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم الخ۔

۳۷ ان الشیطان قد یئس ان یعبد فی جزیرۃ العرب ، مسند احمد: ۴/ ۱۲۶، میمنہ، مصر۔ روایت حضرت عبادہ بن صامتؓ اور ابو درداءؓ۔ دوسری جگہ حضرت جابرؓ کی روایت سے اس کے لیے آپؐ کے الفاظ ہیں: ان الشیطان قد ایس أن یعبده المصلون فی جزیرۃ العرب ۔ صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین وحکامهم، باب تحریش الشیطان وبعثه سرایاه لفتنة الناس وان مع کل انسان قرینا۔ مشمولہ موسوعۃ الحدیث الشریف۔ الکتب الستۃ ۔ دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض۔ المملکۃ العربیۃ السعودیۃ۔